ادبی ظرافت

(جے۔اے۔بلوچ)

اردو ادب میں محاوروں کا استعمال بہت پرانا ہے۔ لیکن ان محاورات کی تاریخ کیا ہے اور یہ محاورے کب بنے، کیسے بنے۔ اور کس نے بنائے اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ زیادہ وضاحت تو ہمارے ادیب حضرات ہی کر سکتے ہیں۔ اور کیا ان محاورات کو اب جدید دور کے لحاظ سے بدلا جاسکتا ہے یا نہیں، اس پر بھی ہمارے ادیب حضرات ہی کچھ فرماسکتے ہیں۔ ہم اپنے معزز قارئین کے لئے آج ان محاوروں پر کچھ تبصرے اور اپنے معزز ادیبوں سے کچھ گزارشات پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان محاوروں میں جن کو پرانے وقت میں کام دیئے گئے ہیں ان کو پہلے کام سے ہٹا کر دوسرے کام پر لگایا جائے، تو کچھ کی چھٹی کرائی جائے۔ کچھ کو آرام کا موقعہ دیا جائے اور کچھ کو جگایا جائے۔ کچھ کو خاموش کرایا جائے تو کچھ کو بولنے کو موقع دیا جائے۔

اس سلسلے میں ہماری پہلی گذارش ادیبوں سے یہ ہے کہ اب بیچارے کوے کو بھی کمانے پر لگائیں آخر وہ کب تک ہنس کی چال چلنے کی مشق کرتا رہے گا۔ اور اب اس کی جگہ کسی اور کو مشق کرنے پر لگائیں چاہے چڑیا ہو یا فاختہ ہو یا کبوتر ہو۔ اور کبوتر بھی تو اب صرف خط لالا کے اکتا گئے ہونگے۔ کچھ ان کو بھی نیا کام دینا چاہیئے۔ بلکہ ہمارا تو خیال ہے سب کو چھٹی دیں کیونکہ آج کل موبائل کی وجہ سے پیغامات بغیر کبوتر کے بھی پہنچ جاتے ہیں اور کوا اگر اس مہنگائی کے دور میں بھی سارا سارا دن ہنس جیسے نایاب پرندے کو ڈھونڈنے میں اور اس کی چال چلنے میں گذارے گا تو پھر کمائے گا کب اور کھائے گا کہاں سے۔

اس سلسلے میں اب **"کولہو کے بیل"** کو بھی صدیوں کے مشقت والے کام سے آزادی دیں کیونکہ آج کل جدید مشینیں آگئی ہیں جو اس کی جگہ لے سکتی ہیں اور کولہو کے بیل سے زیادہ کام بھی کر سکتی ہیں۔ اس لئے اب محاورہ ہونا چاہیئے **"کولہو کی مشین"**۔

اور اسی طرح جن لوگوں کے **"ہاتھوں کے طوطے"** آئے دن اور موقع بموقع اڑتے رہتے ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ اپنے طوطوں کو گھر میں رکھیں اور اگر باہر لیکر آنا ضروری ہو تو پھر اپنے طوطوں کو پنجروں میں بند کر کے لایا کریں آخر ہاتھوں میں لئے پھرنے کی کیا تک ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ نقار خانے میں طوطے کی آواز کوئی نہیں سنتا۔ ہم کہتے ہیں کہ جب طوطے کی آواز کوئی نہیں سن رہا تو پھر طوطے کو خاموش کرادیں، کسی اور کو بولنے دیں جس کی آواز اونچی ہو تاکہ سنی جاسکے۔ اور اگر اس سے بھی بات نہ سنی جائے تو لاوڈ اسپیکر کو استعمال کر کے آواز سنائیں۔

"بندر بانٹ" کرنے والے بندروں کو بھی اب چھٹی دیں کیونکہ اس کام کو آج کل کے دور میں ہمارے سیاستدان بندروں سے بہتر طریقے سے کر رہے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ آج کل مچھلی بازار والے بہت خوش ہیں کوینکہ ان کی ترقی ہوگئی ہے اوراب ان کی رسائی اسمبلی تک ہوگئی ہے ہم اکثر سیاستدانوں سے سنتے رہتے ہیں کہ آج بھی اسمبلی ہال مچھلی بازار بناہوا تھا۔ اس لئے اب جو بھی ہمارے ادیبوں کو مناسب لگے چاہے اسمبلی ہال کو مچھلی بازار کا نام دیں یا پھر مچھلی بازار کو اسمبلی ہال کا۔ اور جن حضرات کو اسمبلی ہال جانے کا بہت شوق ہو اور وہ جاننا چاہتے ہوں کہ اسمبلی ہال میں کیاہوتا ہے تو وہ حضرات اب مچھلی بازار جاکر بھی اندازہ کرسکتے ہیں کہ اسمبلی ہال میں کیاہوتاہوگا۔

ہماری ادیبوں سے ایک اور گذارش ہے کہ اب خرگوش کو بھی "**خوابِ خرگوش**" سے جگاناچاہئے۔ آخر وہ کب تک سوتا رہیگا۔ اس کو جگاکر اس سے بھی کچھ کام کروائیں۔ اوراس کی جگہ کسی اور کو نیند کا موقع دیناچاہئے۔ اور ہمارے خیال میں سب سے زیادہ مستحق اس وقت میں گدھاہے اس لئے اس کو نیند کا موقع دیناچاہیئے۔ کیونکہ ہم اکثر سنتے رہتے ہیں کہ ہر کوئی کہہ رہاہوتا ہے کہ "ابے گدھے ادھر آ"۔ اب ایک گدھا کس کس کے پاس جائے اور کس کس کا کام کرے۔ پھر ان سب کے علاوہ گدھے کو مسلسل باپ کا بھی کردارادا کرناپڑتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ مسلسل نہیں بلکہ کبھی کبھی گدھے کو بھی باپ بناناپڑتا ہے۔ ہوسکتا ہے ہر آدمی کو کبھی کبھی ضرورت پڑتی ہو مگر گدھے کو تو ہر روز کسی نہ کسی کا باپ بناناپڑتا ہے۔ بیٹے کا کردار بھی بیچارے گدھے کو کرناپڑتا ہے جب بھی باپ بیٹے پر غصہ ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ "گدھے کہیں کے"۔ اس لئے ہمارے خیال میں گدھے کو خرگوش کی جگہ آرام کا پہلا موقع دینا چاہئے۔ اور اس سے محاورے میں بھی کوئی خاص فرق نہیں آئے گا کیونکہ گدھے کو بھی خر کہتے ہیں۔ اس لئے اب محاورہ بجائے "**خوابِ خرگوش**" کے "**خوابِ خر**" ہوگا۔ کچھ عرصے کے بعد بیشک گدھے کو جگاکر پھر کسی اور کو موقعہ دے دیں۔

اور "**اونٹ کی کروٹ**" تو وہی دیکھ سکتے ہیں جن کے پاس اونٹ ہوں یاجو اونٹ والے جگہ پر رہتے ہوں۔ شہروں کے رہنے والے کیا دیکھیں اس کے بارے میں بھی ہمارے ادیبوں کو سوچناچاہئے۔ اور دوسری بات یہ کہ اونٹ کو پہاڑ کے نیچے لانے والے محاورے کو بھی تبدیل کریں کہ شہر والے لوگوں کو آسانی ہو۔ کیونکہ شہروں میں اونٹ ہوتے ہیں نہ پہاڑ۔ اس لئے اونٹ کی جگہ کوچ، بس یا ٹرک کو دے دیں اور پہاڑ کی جگہ کسی عمارت کو دے دیں۔ کراچی میں تو حبیب بنک پلازہ بھی خوب رہیگا۔ اس لئے یہ محاورہ "**اب آیا نہ اونٹ پہاڑ کے نیچے**" اس طرح ہوناچاہئے کہ اب "**آئی نہ کوچ حبیب بنک پلازہ کے نیچے**۔"

بڑی عورتیں لڑکیوں کو نصیحت کرتے وقت کہتی ہیں کہ اس بات کو آنچل کے پلو سے باندھ دو مگر آج کل کی ماڈرن لڑکیاں جن کے پاس آنچل ہی نہیں۔ ان کے لئے بھی تو کوئی جگہ بتائی جاے جہاں وہ یہ نصیحت باندھ دیں پھر ساتھ میں کوئی پن یا سٹیپلر وغیرہ بھی

دیں تا کہ ان کو باندھنے میں آسانی ہو۔ کسی نے کہا کہ وہ سنتی ہی کب ہیں کہ انہیں باندھنے کی ضرورت ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ایسی بات ہے تو پھر پہلی فرصت میں کسی اچھے ڈاکٹر سے ان کے کان چیک کروائیں کہ کیا مسئلہ ہے وہ کیوں نہیں سن پا رہی ہیں۔

ایک اور اہم بات یہ کہ ہم نے آج تک ایسی دال نہیں دیکھی جو گلی نہ ہو۔ پھر بھی لوگ مجمعہ عام میں شکایت کرتے نظر آتے ہیں کہ ہماری دال نہیں گلتی۔ اس لئے ایسے لوگوں سے گذارش ہے جس کی بھی دال نہ گلتی ہو تو وہ پریشر ککر خرید لیں اور اس میں ڈال کر گلائیں۔

ایک بات اور کہ اب صرف "**خربوزے پر چھری گرانے**" کو ختم کریں۔ کہ ایک خربوزے پر اتنے سال سے چھری گر رہی ہے اس لئے اب تو وہ خربوزہ بھی نہیں بچا ہو گا اب کسی اور فروٹ کو باری دینی چاہیئے۔ اور پھر ایک اہم بات یہ کہ صرف "**خربوزہ خربوزہ کو دیکھ کر رنگ**" **نہیں** پکڑتا بلکہ ہر فروٹ اپنے اصلی فروٹ کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ اس لئے یہ بتایا جائے کہ آخر خربوزہ کو ہی کیوں چنا گیا ہے۔

لوگ جب خوش ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس کے "**دل میں لڈو پھوٹ**" رہے ہیں۔ ہم ادیبوں سے گذارش کریں گے کہ آج کل جمہوریت کا دور ہے اس لئے صرف لڈو کا ہی حق نہیں ہے بلکہ دوسروں کا بھی حق ہے اور پھر اکیلا لڈو کس کس کے دل میں پھوٹے گا ۔شاید اس لئے کم لوگ خوش نظر آتے ہیں۔ اس لئے اب لڈو کے ساتھ جلیبی، گلاب جامن، رس ملائی اور حلوہ کو بھی ساتھ ملایا جائے۔ تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ خوش ہو سکیں اور اگر ان کے درمیاں آپس میں لڑنے کا مسئلہ ہو تو پھر علاقہ وار بھی تقسیم کر سکتے ہیں کہ کہیں لڈو پھوٹیں تو کہیں گلاب جامن اور کہیں رس ملائی تو کہیں حلوہ تو کہیں کچھ اور۔ تا کہ سب کو خوشیاں بھی ملیں اور لڑائی بھی نہ ہو۔

اسی طرح مکھن لگانے کے محاورے کو بھی بالکل بدلنا چاہئے۔ کیونکہ وہ دن گئے جب مکھن سستا اور آسانی سے سب کو مل جاتا تھا اور کھانے کے علاوہ بچ جاتا تھا تو اس لئے لگانے کا کام بھی اس سے لیتے تھے۔ مگر اب غریب تو کیا اچھے خاصے متوسط طبقے کے لوگوں کو بھی مکھن کھانے کو نہیں ملتا، لگائیں گے کہاں سے۔

"**چور کی ڈارھی میں تنکا**" والے محاورے کو بھی اب بدل دینا چاہئے کہ اب چور کی تو ڈارھی ہوتی نہیں اس لئے چور کی مونچھ میں تنکا والا محاورہ بھی صحیح رہے گا۔ مگر ہو سکتا ہے ہر چور کے مونچھ نہ ہو، سر کے بال تو تقریبا سب کے ہوتے ہیں اس لئے چور کے بالوں میں تنکا بھی خوب رہیگا۔

اور اب یہ ضروری نہیں رہا کہ ہر کام کے لئے پاپڑ بیلنے پڑیں بلکہ اب تو پاپڑوں کے لئے بھی پاپڑ بیلنے کی ضرورت نہیں کہ آج کل پاپڑ بنے بنائے مل جاتے ہیں۔

اور ہم ادیبوں کی توجہ اس پر بھی مبذول کرانا پسند کریں گے لوگ خوامخواہ کہتے رہتے ہیں کہ فلاں عمارت **"آسمان سے باتیں کر"** رہی ہے۔ ہم نے تو عمارت کے قریب آگے پیچھے جا کر بھی دیکھا اور توجہ سے کان لگا کر سننے کی بھی کوشش کی مگر ہمیں تو کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ اس لئے ایسے **"بے پر کی اڑانے"** کی کیا تک ہے۔

ایسے ہی **"بھاگتے چور کی لنگوٹی سہی"** کو ہی دیکھ لیجیئے بھلا آج کل چور کہاں لنگوٹی پہنتے ہیں کہ یہ محاورہ ان پر فٹ ہو۔ بلکہ آج کل تو چور پینٹ یا شلوار پہنتے ہیں، اس لئے یوں کہنا چاہیئے کہ بھاگتے چور کی پینٹ ہی سہی یا شلوار ہی سہی۔ لیکن ہم تو سمجھتے ہیں یہ محاورہ ہی شروع سے صحیح نہیں کہ چور اپنی لنگوٹی چھوڑ کر بھاگ جائے۔ چور ہر چیز چھوڑ کر بھاگ سکتا ہے، لنگوٹی کیسے چھوڑ کر بھاگ سکتا ہے ہر انسان کو اس کی عزت پیاری ہوتی ہے۔ اس لئے سب کی عزت کا خیال رکھا جائے اور بجائے پینٹ یا شلوار کے بھاگتے چور کے دستانے ہی سہی یا جرابیں ہی سہی یا جوتے سہی۔ تا کہ محاورہ کو جدید بھی بنالیا جائے اور چور کی بھی عزت پر بھی حرف نہ آئے۔

اسی طرح کہتے ہیں کہ **"سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی"**۔ ہم پوچھتے ہیں کہ بلی حج کو کیوں جائے گی اس پر تو حج فرض ہی نہیں بلکہ عام آدمی پر بھی فرض نہیں صرف اس پر فرض ہے جو صاحب استطاعت ہو۔ پھر آخر بلی پر حج جانے کا محاورہ کیوں بنایا گیا۔ پھر آج کی بلی چوہے تھوڑی کھاتی ہے جب انہیں پزا، کے ایف سی اور میکڈونلڈ کے کھانے مل رہے ہوں۔

ہمارے معاشرے میں جب کوئی آدمی کوئی کام نہیں کرتا اور فارغ ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ فلاں رات دن **"مکھیاں مارتا"** رہتا ہے ہو سکتا ہے پہلے دور میں یہ محاورہ صحیح ہو مگر اب تو ویسے ہی فلائی پروف سے مکھیوں کی تعداد کم ہو گئی ہے اور اب فارغ آدمی کو بھی وقت گذارنے کے لئے کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور اس پر فیس بک وغیرہ جیسی چیزیں مل گئی ہیں اس لئے اب انہیں مکھیاں مارنے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ آپ پریشان نہ ہوں کہ وہ لوگ اگر وقت کو اس طرح برباد کریں گے تو کھائیں گے کیا اور رہیں گے کہاں۔ اس کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ رہنے کے لئے ان کے پاس **"ریت کے محل"** اور حفاظت کے لئے **"ہوائی قلعے"** ہیں۔ باقی کھانے کے لئے اور کچھ نہیں تو بھی **"خیالی پلاؤ پکاتے"** رہیں گے اور کھاتے رہیں گے۔

اسی طرح جب کوئی آدمی کسی معاملے میں اس کو یقین نہیں ہو تو کہتا ہے میں **"شش و پنج میں"** پڑ گیا۔ اس کا سلیس ترجمہ کیا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے چھ پانچ۔ یعنی اس کو سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ چھ ہیں یا پانچ ہیں۔ ہو سکتا ہے پچھلے وقت میں لوگوں کو گنتی کمزور ہو، اس لئے وہ پریشان ہو جاتے ہوں پانچ اور چھ کو سمجھنے میں۔ مگر آج کل تو سب بچوں تک کو پتا ہے ان چیزوں کا۔ اس لئے اس محاورے کو بھی بدلنا چاہئے۔ اور اب **"کتنے بیس کا سو"** اور **"انیس بیس کا فرق"** والے محاورے بھی بدل دیں کیونکہ اب بڑوں کو تو کیا چھوٹوں کو بھی پتا ہے کہ پانچ بیس کا سو ہوتا ہے اور اب ہر معاملے میں انیس بیس کا فرق نہیں ہوتا بلکہ اب انتالیس چالیس کا فرق بھی ہوتا ہے اب اگر انتالیس چالیس کے فرق میں کوئی آدمی انیس بیس کا فرق کہے گا تو لوگ اس کو جاہل سمجھیں گے۔

اس طرح **"گھوڑے بیچ کر سونا"** والے محاورے کو بھی بدلنا چاہئے۔ آج کل کے دور میں گھوڑے اتنے قیمتی نہیں کہ جب تک انہیں بیچا نہ جائے اس وقت تک نیند ہی نہ آئے ۔اسی طرح ایک محاورہ ہے کہ **" جلدی سے پتلی گلی سے نو دو گیارہ ہو جا"**۔ ہماری ناقص معلومات کے مطابق گلی کوئی بھی پتلی نہیں ہوتی ساری گلیاں سخت ہوتی ہیں چاہے مٹی کی بنی ہوں یا سیمنٹ کی۔ہاں البتہ اس سے مراد اگر بارش کے دنوں کی گلیاں مراد لی جائیں تو پھر کچھ بات بن سکتی ہی ہیں مگر اس میں پھر آدمی جلدی سے کیسے نکل سکتا ہے اس میں تو آدمی اور پھنس جائے گا اور جلدی سے نکلنا تو اسمیں بھی مشکل ہے۔ پھر **"نو دو گیارہ"** کہنے کی کیا تک ہے۔بلکہ یہ کام تو آٹھ تین گیارہ، سات چار گیارہ یا پھر چھ پانچ گیارہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ آخر اس کے پیچھے کیا فلسفہ ہے اس کی بھی تو تحقیق ہونی چاہیے۔اور ایک بات یہ کہ وہ دن گئے جب **"ایک انار پر سو بیمار"** ہوتے تھے آج کل سو تو کیا ایک بھی بیمار ہونے کو تیار نہیں۔

اس طرح **"دشمن کے دانت کھٹے کرنا"** کرنے والے محاورے کو بھی بدلا جائے۔ کیونکہ ہم نے آج تک کسی کو نہیں دیکھا کہ کسی آدمی کی شکست پر اس کے دانت کھٹے ہوئے ہوں۔البتہ سنا ضرور ہے کہ فلاں نے فلاں کے دانت کھٹے کر دئے۔ ہمارے خیال میں تو پچھلے دور میں بھی شکست پر دشمنوں کے دانت کھٹے نہیں ہوتے تھے ورنہ تاریخ میں ایک دو ہی سہی ایسے واقعات تو ضرور ملتے۔اس لئے اس پر بھی تحقیق ہونی چاہیئے۔